شاہد حسین رزاقی

اقبال اور اسلامی سیاسی تصوّرات

اقبال محض مجرد فلسفی نہیں بلکہ زندگی کے مفکر اور شاعر ہیں اور زندگی کی طرح ان کی شاعری بھی ہمہ گیر ہے۔ انہوں نے ہر ایک شعبۂ حیات پر غائر نظر ڈالی اور انسان و انسانیت کی فلاح و نجات کے لیے جو تصورات انہیں سب سے بہتر معلوم ہوئے ان کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اقبال کے جو اوصاف ان کو دنیا کے دوسرے شاعروں اور مفکروں سے ممیز و ممتاز کرتے ہیں، ان میں ان کے علم و فضل اور حقیقت بینی کی خاص اہمیت ہے۔ ان کو مشرق و مغرب کے علوم پر کامل عبور حاصل تھا، انہوں نے قدیم و جدید تصورات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور جو نتائج اخذ کیے وہ افکار عالیہ کی روح اور جوہر ہیں۔ علوم کے بحر بے کراں میں ان کی حالت اس نوشق تیراک جیسی نہ تھی جو اٹھنے والی ہر موج کے دوش پر نظر آتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے ماہر شناور اور غوطہ زن تھے جو لہروں کا سینہ چیر کر راستہ بناتا اور سمندر کی تہ تک پہنچ کر نایاب موتیوں سے دامن بھر لیتا ہے۔ اسی جوہر شناس نظر اور جہاں بیں فطرت کی بدولت اقبال کی شاعری کسی جمشید کا ساغر بننے کے بجائے افکار کے محاسبہ کا معیار بن گئی اور اقبال کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ:

میان آب و گل خلوت گزیدم — ز افلاطون و فارابی بریدم
نہ کردم از کسے دریوزۂ چشم — جہاں را جز بہ چشم خود ندیدم

وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد آخر کار اقبال نے اسلامی تصورات کو دوسرے تمام نظریات پر ترجیح دی۔ کیونکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ انسان کی حقیقی عظمت اور تکمیل انسانیت کے ضامن صرف اسلامی اصول ہیں جو انسان کو خدا شناس و خود شناس بناتے ہیں اور تمام نوع انسانی کو ایک مرکز اور ایک تنظیم کے تحت لانے اور فلاح و نجات کی راہ پر گامزن کرنے کا عملی ذریعہ ہیں۔ نیز یہ اصول رنگ و نسل اور قوم و وطن جیسے تعصبات کو ختم کر دیتے ہیں۔ جو وحدت انسانی کے حصول کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

اسلام کے غائر مطالعے نے اقبال پر اس حقیقت کو منکشف کر دیا کہ اسلام دوسرے تمام مذاہب کی طرح محض عبادات، رسم و رواج، اور توہمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل دین یا ضابطۂ حیات ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاسیات کے متعلق بھی اسلام نے ایسے اصول پیش کیے ہیں جو بنی نوع انسان کی صحیح رہبری کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اقبال

نے اسلام کے سیاسی تصورات ہی کو اپنے فلسفۂ سیاست کی بنیاد قرار دیا اور جدید تقاضوں کی تکمیل کے لیے قرآنی نظریات کی موثر ترین تفسیر پیش کی جو کسی خاص ملک یا طبقہ کے لیے مختص نہیں بلکہ عالمگیر اور ہر قوم کے لیے قابل عمل ہیں۔

تصورِ انقلاب

اقبال انقلاب کے نقیب اور کشمکشِ حیات کے پیغام بر ہیں اور دنیا سے تمام ظالمانہ اور مفسدانہ نظاموں کو مٹا کر ان کی جگہ حق پرستی اور انصاف پسندی پر مبنی نظام قائم کرنے کے لیے ہمہ گیر انقلاب برپا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دنیا میں جتنے انقلاب ہوئے ہیں وہ نوعیت کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں۔ خدا پرست اور خود پرست ——— تاریخ عالم شاہد ہے کہ انقلاب کی خود پرستی ہمیشہ اس کو انہدامی اور انتقامی تحریک بنا دیتی ہے جو انسانیت کے حق میں آخر کار ایک لعنت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس خدا پرست انقلاب اصلاحی اور تعمیری ہوتا ہے۔ اسلام دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا اور سب سے کامیاب انقلاب اور خدا پرست انقلابات کی تکمیل ہے۔ لا الٰہ الا اللہ سے بڑا انقلابی نعرہ ہے۔ اس نعرہ نے جمادات و حیوانات، چاند، سورج اور سلاطین ہر ایک باطل طاقت کی خدائی اور اقتدار سے انکار کیا۔ اور اللہ کا اقتدار قائم کیا۔ یہ نعرہ محض انہدامی نہیں بلکہ تعمیری بھی ہے۔ اور اقبال نے بھی اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ غیر اللہ کی خدائی کو ختم کرنے کے لیے انہدامی نعرہ "لا" بلند کرنا لازمی ہے لیکن یہ پہلی منزل ہے اور اس انکار کے بعد اقرار بھی ضروری ہے۔ اگر لا الٰہ کے بعد الا اللہ کا تعمیری تصور اختیار نہ کیا گیا تو انسانیت تباہی کے راستہ پر جا لگے گی۔

در جہاں آغازِ کار از حرفِ لاست — ایں نخستیں منزلِ مردِ خداست
در مقامِ لا نیاساید حیات — سوئے الا می خرامد کائنات
لا و اِلّا سازد برگِ امتناں — نفی بے اثبات مرگِ امتناں
تا نہ رمزِ لا الٰہ آید بدست — بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

موجودہ دور میں اقبال کے اس نظریہ کی تصدیق روسی انقلاب سے ہوتی ہے۔ ان انقلابیوں نے لاسلاطین، لاکلیسا لا الٰہ کا انہدامی نعرہ بلند کر کے زار اور کلیسا کی شہنشاہی تو ختم کر دی۔ لیکن الا اللہ کی تعمیری منزل سے دور رہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ شہنشاہیت کو ختم کرنے والے انقلابیوں نے خود شہنشاہیت اختیار کر لی۔ خسرو کی جگہ کوہ کن نے لے لی اور یہ ثابت ہو گیا کہ: طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی ———

مذہب و سیاست

انقلاب کو صحیح راستے پر لگانے اور سیاست کو تباہ کاری سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کو

اعلیٰ تصورات کا پابند رکھا جائے۔ چنانچہ اقبال کا یہ نظریہ ہے کہ سیاست دین کی تابع رہے اور مذہب و سیاست میں جدائی نہ رکھی جائے۔ قرآن پاک میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اللہ ہمارا معبود بھی ہے اور حاکم بھی۔ اور دین و سیاست میں تعلق کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ سیاست کو مذہب سے علاحدہ کرنے کا تصور درحقیقت ایسے لوگوں کی ایجاد ہے جو ایمان، عقیدہ اور ضمیر کی پابندیوں سے آزاد ہو کر انسانی حقوق کو پامال کرنا چاہتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اقبال سیاست بے دین کو کنیزِ اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر تصور کرتے ہیں۔ دین و سیاست میں جدائی کو ملک اور دین کے لیے نامرادی، تہذیب کے لیے باعثِ تباہی اور ہوس کی حکمرانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو — جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مسلکی مملکت

مملکت معاشرہ کی منظم کیفیت کا نام ہے۔ اور ہر مملکت کی تنظیم میں کچھ مقاصد اور اصولوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی مملکت بھی اسلامی معاشرہ کی ایک خاص کیفیت ہے اور اس کا بنیادی مقصد اس نظامِ حیات کو روبہ عمل لانا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی مملکت ایک مسلکی مملکت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ منظم کیفیت اور اجتماعی قوت کے ذریعہ انسانی معاشرہ کے ہر شعبہ کو اسلامی تصورات کے مطابق بنایا جائے اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے اس کے اصولوں کا تحفظ کیا جائے۔ اسلامی معاشرہ کی اساس اللہ تعالیٰ کی وحدت و اقتدار کا تصور ہے۔ اور اقبال اس تصور اور اسلامی تعلیمات کے تحفظ و نشر کو ملتِ اسلامیہ کا نصب العین قرار دیتے ہیں اور اسلامی مملکت کا فرض بھی اسی نظامِ حیات کو روبہ عمل لانا تصور کرتے ہیں۔

در جہاں وابستۂ دینش حیات — نیست ممکن جز بآئینش حیات
اے کہ می داری کتابش در بغل — تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل
نکتۂ سنجاں را صلائے عام دہ — از علومِ اُمیٔ پیغام دہ

تصورِ اقتدارِ اعلیٰ

تاریخِ عالم کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں تمام سیاسی امراض کا اصل سبب انسان پر انسان کی حکومت کا تصور ہے۔ چنانچہ اقبال کا یہ نظریہ حقیقی حاکم صرف اللہ ہے اور اللہ کے سوا کسی کی حکومت تباہی کا باعث ہے۔ سیاسیات کی تاریخ اس امر کا ثبوت ہے کہ دو ہزار سال کی نظریہ سازی کے باوجود مغربی نظریۂ اقتدارِ اعلیٰ اس لیے ناقص رہا ہے کہ مغربی مفکروں نے لافانی، لامحدود اور فوق البشر اقتدار انسان اور انسانی اداروں سے وابستہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے برعکس اسلامی تصور کی برتری کا راز یہی ہے کہ اس نظام میں حقیقی حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انسان

اس کے احکام کو روبہ عمل لاکر منصب خلافت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ حریت اور مساوات درحقیقت اور صحیح معنوں میں صرف اس وقت قائم ہو سکتی ہیں جب انسان پر انسان کی خدائی ختم ہو جائے۔ اللہ کے اقتدار کا تصور انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کر دیتا ہے۔ انسان کسی میر و سلطان کا بندہ نہیں رہتا۔ یہ مرد آزاد لا الٰہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور کسی فرعون کے آگے سر نہیں جھکاتا۔

اقبال اقتدار اعلیٰ کے اس تصور کے مضمرات سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اور یہ جانتے ہیں کہ حریت، مساوات اور اخوت کے تصورات صرف اسلامی نظام میں ہی روبہ عمل حقیقت بن سکتے ہیں اور اسی لیے ان کا یہ نظریہ ہے کہ:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

ناجائز حکومت

اللہ کے سوا کسی اور کا اقتدار اعلیٰ انسانیت کے لیے تباہ کن ہے اور اسی لیے اقبال اس کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ انسان پر انسان کی حکومت کو سینۂ بے نور قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس حاکم کا قلب نورِ ہدایت سے منور نہیں اور جس کی حکومت احکامِ الٰہی پر مبنی نہیں اس کی حکومت حرام ہے۔ ایسی حکومت محکوم کو محروم و مظلوم بنا کر قوت حاصل کرتی ہے۔ ایسی حکومت فوج، قید خانوں اور بیڑیوں کی فراوانی کی بدولت قائم رہتی ہے اور یہ سب رہزنوں کے حربے ہیں۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں:

حاکمی بے نورِ جاں خام است خام — بے یدِ بیضا ملوکیت حرام
از ملوکیت نگہ گردد دگر — عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر
حاصلِ دستور و آئینِ ملوک — وہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

اللہ کے سوا کسی اور کی آمریت کو اقبال کافری تصور کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ:

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا — اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

وطنیت و قومیت

موجودہ دور میں مغربی اقوام نے مملکت کی اساس وطن کو قرار دیا ہے اور یہ نظریہ مسلم ممالک میں بھی پیش کرنے اور اس کو مقبول عام بنانے کی غیر معمولی کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن اسلام کا اجتماعی تصور دوسرے تمام تصورات سے مختلف ہے۔ چنانچہ اسلامی سیاست بھی نوعِ انسانی کی وحدت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے تمام اصول آفاقی اور عالمگیر ہیں۔ اقبال اسلام کی آفاقیت کے علمبردار ہیں اور اسی بنا پر وطن اور وطنی قومیت کے شدید مخالف ہیں۔ کیونکہ ایک عالمگیر نظام صرف عقیدہ کی بنیاد پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ اقبال اس نظریہ کے قائل ہیں کہ اسلام کا منتہائے مقصود دنیا کے

تمام انسانوں کو عالمگیر اسلامی نظام کے تحت منظم کر کے انسانی وحدت قائم کرنا ہے۔ لیکن یہ اتنا زبردست کام ہے جس کی تکمیل کے لیے طویل مدت درکار ہے۔ اس لیے اسلام نے اس مقصد کی تکمیل تک صرف دو تقسیمیں روا رکھی ہیں۔ ایک تو وہ انسان جو اسلامی نظام میں داخل ہیں یعنی موحد۔ اور دوسرے وہ جو اس سے باہر ہیں یعنی مشرک۔ اس کے علاوہ رنگ و نسل، وطن، زبان وغیرہ پر مبنی اجتماعی تصورات سے انسانیت بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتی ہے اور انسانی وحدت کے حصول میں جو اسلام کا مقصود ہے، شدید رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے اقبال وطنیت اور قومیت کے سخت مخالف ہیں اور ان تصورات کو غارت گر کاشانۂ دین نبوی قرار دے کر تلقین کرتے ہیں کہ:

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے — اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

تصورِ امت

اجتماعی تنظیم کے ان تمام انتشار انگیز تصورات کے بجائے اقبال اسلام کے وحدت خیز اجتماعی نظام کے قائل ہیں اس نظام کی بنیاد رنگ و نسل، زبان اور وطن نہیں بلکہ اسلامی اصول ہیں اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی اجتماعی تنظیم کی اساس تصورِ امت ہے۔ چنانچہ اقبال ساری دنیا کے مسلمانوں کو آنکھوں کے نور سے تشبیہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک آنکھ کی روشنی کو دوسری آنکھ کی روشنی سے جدا نہیں تصور کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اسلام کی وحدت خیز قوت نے وطنیت اور قومیت کو ختم کر دیا۔ آں حضرتؐ کے نبی ہونے کے بعد قومیت مٹنے اور امتِ محمدیؐ بننے لگی۔ چنانچہ ہر قوم کے افراد جب اسلام قبول کرتے تو ان کی سابقہ قومیت ختم ہو جاتی۔ اور وہ امت محمدیہ میں داخل ہو جاتے جو حق پرست اجتماعی تنظیم کی تکمیل کرنے والا آخری نظام ہے۔

جواہر لال نہرو اور حسین احمد دیوبندی سے مباحثہ کے سلسلہ میں اقبال نے جو صراحتی بیان جاری کیے تھے۔ ان میں ان اہم مسائل کی وضاحت بڑی خوبی سے کی ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ فیض آفریں بیانات اسلامی افکار کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

اقبال نے یہ واضح کیا ہے کہ امت محمدیہ مکمل اجتماعی تنظیم اور آخری امت ہے جو ابد تک رہے گی۔ یہ امت زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ خدا پرستی، حب رسولؐ، ایمانی قوت، اسلامی اخوت، حریت اور مساوات اس کی امتیازی صفات ہیں۔ اور قرآنِ پاک کی حفاظت اور دینِ حق کی اشاعت اس کا بنیادی فرض ہے۔ اور اس امت کی تعریف وہ اس طرح کرتے ہیں:

اُمّتے در حق پرستی کاملے — اُمّتے محبوبِ ہر صاحبدلے
اُمّتے از ماسوا بے گانۂ — بر چراغِ مصطفیٰؐ پروانۂ

از اجل ایں قوم بے پرواستے — استوار از نحن نزلنا ستے
حفظِ قرآنِ عظیم آئینِ اوست — حرفِ حق را فاش گفتن دینِ اوست

دائمی مرکز

اقبال نے اس عالمگیر نظام کے تین بنیادی رکن قرار دیئے ہیں۔ ایک تو توحید یا دائمی مرکز۔ دوسرے رسالت یا دائمی قیادت اور تیسرے قرآن یا دائمی آئین ——— اللہ تعالیٰ کی وحدت و اقتدار کا تصور اسلامی سیاسیات کی روح ہے۔ اسلامی تنظیم میں اس تصور کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی تنظیم کا مرکز قرار دینے کا یہ مطلب ہے کہ وہ تنظیم کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب مرکز لافانی ہوگا تو اس کے گرد قائم تنظیم بھی بقائے دوام حاصل کرے گی اور یہ تنظیم خواہ کتنی ہی زوال پذیر ہو جائے جب وہ مرکز کی طرف پلٹے گی تو یہ وابستگی اس کو پھر راہ ترقی پر گامزن کر دے گی۔ اقبال تصور توحید کو دین و حکمت، زور و قوت [illegible] یقین کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے بندہ کا مقام بہت بلند ہو جاتا ہے اور فقیر کا کاسۂ گدائی بھی جامِ جم بن جاتا ہے۔ راہِ حق میں اس کی جدوجہد تیز تر ہو جاتی ہے۔ دل شک و شبہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور یقین و عمل کی قوت اس کو ایک ایسی طاقت بخشتی ہے جو فرد کو اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچاتی اور ملت کو عظمت و شوکت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ چنانچہ اقبال اس مرکز کی برکتوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

دیں ازو، حکمت ازو، آئیں ازو — زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو
پست اندر سایہ اش گردد بلند — خاک چوں اکسیر گردد ارجمند
قوتِ دیں از مقامِ وحدت است — وحدت ار مشہود گردد ملت است
فرد از توحید لاہوتی شود — ملت از توحید جبروتی شود

دائمی قائد

اقبال نے اس اسلامی تنظیم کا دوسرا رکن رسالت کو قرار دیا ہے۔ رسالت دائمی قیادت ہے۔ رسولؐ، اللہ کا حکم جاری کرتا ہے۔ اور اللہ کے حکم کو جاری کرنے کے لیے غیر اللہ کے احکام کو اپنے پیروں کے نیچے پامال کر دیتا ہے۔ بادشاہ کی قوت و شوکت سے وہ مرعوب نہیں ہوتا۔ رسول ایسا حاکم ہے جو تخت و تاج اور سپاہ و خراج سے بے نیاز ہے۔ اس کی نگاہ پیامِ انقلاب ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی حکومت قائم کرتا ہے۔ اور اس کا روشن ضمیر ایک نئی امت بناتا ہے۔ اسلامی نظام کے دائمی قائد حضور سرورِ کائناتؐ ہیں۔ جنہوں نے امتِ محمدی کی تشکیل فرمائی۔ ہمیں دینِ فطرت سے آگاہ کیا۔ انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ دنیا کے سامنے ایک مکمل اور دائمی ضابطۂ حیات پیش فرمایا۔ اور دین و دنیا کے معاملات میں ہماری مکمل ترین رہبری فرمائی ——— ان کی ذات میں دین و دنیا، اور

قدیم وجدید کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔

رسولؐ کی قیادت اس تنظیم کا ایک بنیادی اصول ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ کی قوت ووحدت اور ترقی وکامیابی کا راز حضور اقدسؐ کی تقلید واطاعت میں مضمر ہے۔ ان کی مقدس ذات اس ملت کے لیے ایک دائمی نمونہ ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کے دائمی قائد ہیں اور یہ قیادت ملت کی عظمت وقوت اور وحدت واستحکام کی ضامن ہے:

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید ... وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
از رسالت در جہاں تکوینِ ما ... از رسالت دینِ ما آئینِ ما
ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم ... اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
دینِ او آئینِ او تفسیرِ کل ... در جبینِ او خطِ تقدیرِ کل
قوم را سرمایۂ قوت ازو ... حفظِ سرِ وحدتِ ملت ازو

یہودیت اور عیسائیت وغیرہ پر اسلام کو یہ تفوق حاصل ہے کہ یہ سب نظام خدائی نظامِ حیات کی ارتقائی کڑیاں ہیں لیکن اسلام مکمل اور دائمی نظام ہے اور اس تکمیل و دوام کا یہ لازمی تقاضا تھا کہ پیغمبر اسلامؐ پر نبوت اور شریعت ختم ہو جاتی۔ ورنہ اسلام کی حیثیت بھی یہودیت اور عیسائیت کی طرح ایک نامکمل ارتقائی کڑی جیسی ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائناتؐ پر نبوت ختم فرمادی۔ اور دین اسلام کی تکمیل کا مژدہ سنایا۔ آنحضرتؐ آخری نبی ہیں۔ اس لیے اُمتِ محمدیہ آخری امت ہے۔ اور اقبال اس تکمیلی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم قرار دیتے ہیں:

زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است ... وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است
دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم ... در رہِ حق مشعلے افروختیم
تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود ... ہستیِ ما با ابد ہمدم شود
پس خدا بر ما شریعت ختم کرد ... بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی ز احسانِ خدا ست ... پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰؐ است

دائمی آئین

اس تنظیم کا تیسرا رکن اس کا آئین ہے۔ دنیا میں ہر نظام کو قائم رکھنے کے لیے آئین کی ضرورت ہے۔ اور اقبال آئین کی اہمیت کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد یہ حقیقت بیان کرتے ہیں کہ آئین ہستیِ مسلم کا ضامن اور دینِ نبیؐ کا باطن ہے۔ امتِ محمدیہ کا آئین قرآنِ پاک ہے۔ اور یہ آئین دائمی ہے۔ اس آئین میں ایسے بنیادی قوانین کا تعین کر دیا گیا ہے۔ جن میں کبھی تبدیلی کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور ان اصول و قوانین کی مقرر کردہ حدود کے اندر اجتہاد سے کام

لینےاور عمل کرنے کی آزادی ہے۔ اس آئین کو بنانے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ اس لیے یہ ان تمام خامیوں سے پاک ہے جو انسان کے بنائے ہوئے قانون میں موجود ہوتی ہیں۔ اس آئین کے اصول ایسی دائمی حقیقتیں ہیں جو کبھی نہیں بدلتیں اور اس میں ایسی ضروری لچک موجود ہے جو ہر زمانہ میں قوانین کی اساس بن کر زمانہ کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ یہ آئین اعلیٰ اقدار کا محافظ ہے اور اس کی پابندی کئے بغیر اسلامی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں:

ہستیِ مسلم ز آئین است و بس — باطنِ دینِ نبی ایں است و بس
تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست ؟ — زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست ؟
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ اللعالمین
لایزال و دار دانش نو بنو — برگ و بارِ محکماتش نو بنو
باطنِ او از تغیر بے غمے — ظاہرِ او انقلابِ ہر دمے
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

فرد اور مملکت

سیاسیات کے مباحث میں ایک اہم مسئلہ فرد اور جماعت یا مملکت کا تعلق اور دونوں کے حقوق و فرائض کا تعین ہے۔ اکثر سیاسی مفکران روابط میں بھی اعتدال و ہم آہنگی قائم کرنے میں ناکام رہے۔ اور انتہا پسندی سے کام لیا۔ چنانچہ ایک طرف تو نظریۂ انفرادیت کے علمبردار ہیں جو مملکت کے وجود تک کو مجبوراً برداشت کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مملکت افراد کی آزادی پر پابندی کا نام ہے۔ اور دوسری طرف اشتمالیت، فاشیت اور نازیت جیسے نظریات رونما ہوئے ہیں جو فرد کو مملکت میں ضم کر دینا ضروری تصور کرتے ہیں۔ لیکن اسلام نے اس بارے میں بھی اعتدال اور انصاف قائم رکھا ہے اور دونوں کے جائز حقوق و اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اقبال اسی نظریہ کے موید ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جماعت اور فرد دونوں اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ جماعت سے تعلق فرد کے لیے ایک رحمت ہے اور ہر فرد کو آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی جماعت سے دور ہونے والا شیطان کے بتلاتے ہوئے راستہ پر چلتا ہے۔ فرد جماعت میں مل کر طاقت و استحکام حاصل کرتا ہے۔ وہ قطرہ ہوتا ہے اور جماعت سے ربط اس قطرہ کو سمندر بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جماعت کے حق میں بھی فرد کی بہت اہمیت ہے۔ فرد اور جماعت کی مثال موتی اور موتیوں کی لڑی کی طرح ہے۔ فرد جماعت کی وجہ سے عزت و قوت حاصل کرتا ہے اور جماعت افراد کی وجہ سے ایک نظام کی شکل اختیار کرتی ہے:

فرد را ربط جماعت رحمت است | جوہر او را کمال از ملت است
وحدت او مستقیم از کثرت است | کثرت اندر وحدتِ او وحدت است
فرد می گیرد ز ملت احترام | ملت از افراد می یابد نظام

زمین کی ملکیت

موجودہ دور میں معاشی مسائل سیاست پر بہت اثر انداز ہو رہے ہیں اور اقبال نے معاشی نوعیت کے سیاسی نظریات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ زمین نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی تنظیم میں بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اور اس کی ملکیت کا تصور بھی ایک اختلافی نظریہ ہے۔ اس بارے میں اسلامی تصور یہ ہے کہ زمین اللہ کی ملک ہے۔ زمین کے اندر اور اس کی سطح پر جو کچھ ہے اس کا مالک بھی اللہ ہے۔ اور زمین سے جائز فائدہ اٹھانے کا حق سب انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔ چنانچہ زمین پر نہ تو جاگیرانہ قبضہ جائز ہے اور نہ کسی کاشتکار کو جب تک کہ وہ اس پر کاشت کرتا رہے زمین سے محروم کیا جا سکتا ہے اور اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سب کے واجبی اور جائز حقوق اور فائدے کا لحاظ رکھے۔ اسی طرح معدنیات بھی کسی شخص کی ملک نہیں ہو سکتیں اور نہ کوئی شخص ان کا اجارہ لے سکتا ہے۔ نیز دریاؤں جیسی قومی دولت سے بھی کسی کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان سب سے جائز فائدہ اٹھانے کا حق سب کو برابر حاصل ہے۔ اقبال اسی تصور کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین و آسمان اللہ کی ملک ہیں۔ زمین سے اپنا رزق حاصل کرنا روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہماری متاع قرار دیا ہے اور ہم اس سے دانہ دانہ وصول کر سکتے ہیں۔ لیکن انسان اس حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور اس کے لیے جنگ و جدل کرتا رہا ہے۔ زمین حاصل کرنے کی ہوس تباہی کا باعث ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ زمین سے رزق حاصل کرے لیکن اس پر قابض ہونے کی ہوس میں گرفتار نہ ہو۔ کیونکہ زمین اللہ کی ملک ہے اور سب کو اس سے مناسب فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے:

این زمین و آسمان ملک خداست | این مہ و پرویں ہمہ میراث ماست
حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت | این متاعِ بے بہا مفت است مفت
من نہ گویم در گذر از کاخ و کوئے | دولتِ تست این جہان رنگ و بوئے
دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر | صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر
دہ خدایا! نکتۂ از من پذیر | رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

جائز دولت

معاشرہ پر اثر انداز ہونے والی ایک اور اہم شے دولت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دولت بجائے خود بری چیز

نہیں اس کا استعمال اسے اچھی یا بُری شے بنا دیتا ہے۔ جو دولت دین و ملت کی خدمت اور بہتری کے لیے ہو اور جس سے مستحق لوگوں کی مدد کی جائے وہ یقیناً ایک رحمت ہے اور جس دولت سے دین و ملت کو نقصان پہنچے اور جو ناجائز طریقوں اور مقاصد پر صرف کی جائے وہ ایک لعنت ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ اگر دولت دینی امور پر صرف کرنے کے لیے جمع کی جائے تو وہ صالح ہے۔ اور اقبال اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اس مقصد کو نظر انداز کر کے دولت جمع کرے گا تو وہ خود اس دولت کا غلام بن جائے گا۔ وہ نیک و بد میں امتیاز نہ کر سکے گا۔ اور دولت کی محبت اسے ہر انقلاب کے خوف سے لرزاں رکھے گی۔ نیک و بد میں امتیاز نہ کرنے والے دولت مند اُمت کے حق میں ایک فتنہ ہیں ـــــ قابلِ تعریف دولت مند وہ ہیں جن کی دولت دین اور ملت کے لیے ہو۔ یہ دولت حلال اور جائز دولت ہے اور اقبال اسی تصور کو ذہن نشین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تا ندانی نکتۂ اکل حلال — بر جماعت زیستن گردد وبال
اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زیست — در چنیں عصرے خدا اندیش زیست

ناجائز دولت

دولت کا ناجائز استعمال اس کو ملت کے حق میں ایک مصیبت بنا دیتا ہے ـــــ انسان کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انسان نے حلال اور حرام میں امتیاز کرنا ترک کر دیا ہے۔ اقبال ربوٰ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ جسے اسلام نے حرام قرار دیا اور کہتے ہیں کہ دولت کی ہوس اور یہودی ذہنیت نے انسان کے سینہ کو نورِ حق سے محروم کر دیا ہے۔ آدم دری اس کا شیوہ بن گیا ہے۔ اور تجارت کے پردے میں سرمایہ دار دوسرے انسانوں کا استحصال کرتے ہیں۔ ربوٰ ایک فتنہ ہے جو انسان کو خود غرض اور سنگ دل بنا دیتا ہے۔ اور ربوٰ خور انسانیت کے بجائے درندگی اختیار کر لیتا ہے۔ انسانیت کی فلاح و ترقی کے لیے معاشی استحصال کو ختم کرنا بھی ضروری ہے:

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است — پردۂ آدم دری سوداگری است
از رباجاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ
ایں ہنوز ایں فکرِ چالاکِ یہود — نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

جنگ

ایک اور اہم مسئلہ جس پر اقبال نے اظہارِ خیال کیا ہے وہ جنگ کا تصور ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنے، دنیا کو نیکو کار بنانے اور فتنۂ فساد کو مٹانے کے لیے مدافعانہ اور مصلحانہ دونوں قسم کی جنگ کرنے

کا حکم دیا ہے۔ لیکن قرآن پاک میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ ایمان دار اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور کافر و نافرمان ظلم و سرکشی کی خاطر لڑتے ہیں۔ اقبال نے جنگ کے متعلق اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ اور یہ تلقین کرتے ہیں کہ ہر عمل میں رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا جائے۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بھی خیر ہے۔ اور غیر اللہ کیلئے صلح کرنا بھی شر ہے۔ اگر ہماری تلوار سے اللہ کا نام بلند نہ ہو تو ہمارے لیے جنگ کرنا بُرا ہے۔ محض حرص و آز اور ہوس ملک گیری کے لیے جنگ کرنا تباہ کن ہے۔ اپنی شوکت و سطوت اور جوع الارضی کے لیے جنگ کرنے والے بادشاہوں کی حالت لٹیروں جیسی ہے اور ان بادشاہوں اور ایمان داروں کی جنگ اور اس کے مقاصد میں بڑا فرق ہوتا ہے:

قربِ حق از ہر عمل مقصود و دار — تاز تو گردد جلالش آشکار
صلح شر گردد چو مقصود است غیر — گر خدا باشد غرض جنگ است خیر
آتشِ جانِ گدا جوعِ گداست — جوعِ سلطاں ملک و ملت را فناست
جنگِ شاہانِ جہاں غارت گری است — جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است

اجتہاد

سیاسی نظریات کے ضمن میں اقبال نے ایک اور تصور پر بہت زور دیا ہے اور وہ اجتہاد ہے جو ایک لچکر میں انہوں نے اجتہاد کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے اس کی ضرورت و اہمیت واضح کی ہے۔ اقبال کے نزدیک ثبات اور تغیر دونوں انسانی زندگی کے تقاضے ہیں اور اسلامی ضابطۂ حیات میں ان دونوں کو مناسب طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی نوعیت تو دائمی ہے لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کی تفصیلات ضروریاتِ زمانہ کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ جب قوانین کو اس طرح اٹل سمجھ لیا جاتا ہے کہ تعمیر و ترقی کے امکانات مسدود ہو جائیں تو جمود طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب اسلام کا یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا کہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تو مسلمانوں پر بھی جمود طاری ہونے لگا اور اجتہاد کے بجائے فقہ کی اندھا دھند تقلید کی جانے لگی۔ بغداد کی تباہی کے بعد یہ رجحان اور بڑھ گیا اور انتشار سے محفوظ رہنے کے لیے تقلید کو لازمی تصور کیا گیا۔

اگرچہ زمانہ کے خطاط میں اقبال بھی اجتہاد کے بجائے تقلید کو بہتر قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ

مضمحل گردد چو تقویم حیات — ملت از تقلید می گیرد ثبات
ز اجتہاد عالمانِ کم نظر — اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

لیکن معاشرہ کی تعمیر و ترقی اور ضروریاتِ زمانہ کی تکمیل کے لیے وہ اجتہاد کو لازمی خیال کرتے ہیں۔ قرآن پاک مسلمانوں کا دائمی دستور ہے جس میں بنیادی اصول پیش کر کے حد بندی کر دی گئی ہے اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے

ضروریات زمانہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ اگر اس آزادی سے کام نہ لیا گیا تو اسلامی معاشرہ ترقی پذیر زمانہ کا ساتھ نہ دے سکے گا۔ اقبال کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن میں جہاد کی جو تلقین کی گئی ہے اس کا مفہوم نصب العین کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا ہے۔ اسلام ہر زمانہ میں رہبری کرنے والا ترقی پذیر دین ہے۔ اس کا باطن حرکت و ترقی کا تقاضہ کرتا ہے اور وہ ہر قسم کی جائز ترقی اور اجتہاد کا حامی ہے۔ اصول فقہ ہوں یا نظامات فقہ کوئی بھی اٹل اور غیر متغیر نہیں۔ جامد اور مقلد ملت جسد بے روح بن کر رہ جاتی ہے۔ اجتہاد وہ عنصر ہے جو اسلام کی ہیئت ترکیبی میں حرکت و تغیر قائم رکھتا ہے۔ اور آج عالم اسلامی کی سب سے بڑی ضرورت فقہ جدید کی تشکیل ہے۔ اسلامی آئین سازی کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس اور اگر مسلمان ان ماخذوں سے کام لیں تو تقلید پرستی کا طلسم خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ اور مسلمان اپنے علمی و دینی سرمایہ پر نظر ثانی کر کے اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق اپنی حیات اجتماعی کی از سر نو تشکیل کر سکیں گے۔

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہد انقلاب اور دور حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ صفحات ۵۰۶۔ قیمت -/۸ روپے

سیاست شرعیہ

مؤلفہ رئیس احمد جعفری

دنیا بادشاہت، آمریت، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظاموں کا تجزیہ کر چکی ہے لیکن انسانیت کے دکھ کا مداوا کہیں نہیں ملتا۔ اسلام نے بھی اب سے چودہ سو برس پہلے ایک دستور حیات پیش کیا تھا جو دوسرے تمام نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ سیاست شرعیہ میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ قیمت -/۵ روپے

ملنے کا پتہ:

سکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور